جاوید احمد غامدی

قانون سیاست

(نئی اشاعت کے لیے مصنف کی طرف
سے نظرِ ثانی اور ترمیم و اضافہ کے بعد)

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جس فطرت پر پیدا کیا ہے، اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ وہ تمدن کو چاہتا ہے اور پھر اس تمدن کو اپنے ارادہ اختیار کے سوء استعمال سے بچانے کے لیے جلد یا بدیر اپنے اندر ایک نظمِ اجتماعی پیدا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ انسانی تاریخ میں سیاست و حکومت انسان کی اس خواہش اور اس مجبوری ہی کے بطن سے پیدا ہوئی ہے اور انسان جب تک انسان ہے وہ اگر چاہے بھی تو اس سے نجات حاصل کر لینے میں کامیاب نہیں ہو سکتا، لہٰذا عقل کا تقاضا یہی ہے کہ اس دنیا میں حکومت کے بغیر کسی معاشرے اور تمدن کا خواب دیکھنے کے بجائے وہ اپنے لیے ایک ایسا معاہدہ عمرانی وجود میں لانے کی کوشش کرے جو نظمِ اجتماعی کا تزکیہ کر کے اس کے لیے ایک صالح حکومت کی بنیاد فراہم کر سکے۔

اس میں شبہ نہیں کہ انسان کی فطرت نے اسے بالعموم یہی راہ دکھائی اور اسی راستے پر جدوجہد کے لیے آمادہ کیا ہے، لیکن اس کے جو نتائج اب تک نکلے ہیں اور جنھیں ہر شخص بچشمِ سر اس عالم میں دیکھ سکتا ہے، تنہا وہی اس حقیقت کو بالکل آخری حد تک ثابت کر دینے کے لیے کافی ہیں کہ زندگی کے دوسرے معاملات کی طرح عقلِ انسانی اس معاملے میں بھی آسمانی ہدایت کے بغیر اپنے لیے سواء السبیل تلاش نہیں کر سکتی۔ انسان کی یہی ضرورت ہے جس کے پیش نظر ایک مفصل قانونِ سیاست اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآنِ مجید اور اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ہمیں دیا ہے۔

یہ قانون جن مباحث کو شامل ہے وہ یہ ہیں:

بنیادی اصول

اصل ذمہ داری

دینی فرائض

شہریت اور اس کے حقوق

نظمِ حکومت

ذیل میں ہم اس قانون سے متعلق قرآنِ مجید کے نصوص کی وضاحت کریں گے۔

۱۔ بنیادی اصول

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۔ (النساء۴: ۵۹)

''ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر تمھارے درمیان اگر کسی معاملے میں اختلاف رائے ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ اچھا ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی یہی بہتر ہے۔''

یہ بنیادی اصول ہے۔ قرآن نے اپنے اس حکم میں واضح کر دیا ہے کہ نظامِ ریاست میں اصل مرجعِ اطاعت کی حیثیت صرف اللہ اور اس کے رسول کو حاصل ہے۔ ہر وہ معاملہ جس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ذریعے سے کر دیا ہے اس میں اولوالامر کو خواہ وہ ریاست کے سربراہ ہوں یا پارلیمان کے ارکان اپنی طرف سے کوئی فیصلہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اولوالامر کے احکام اس اطاعت کے بعد اور اس کے تحت ہی مانے جا سکتے ہیں۔ اس اطاعت سے پہلے یا اس سے آزاد ہو کر ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ چنانچہ اسلامی ریاست میں کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جا سکتا جو اللہ و رسول کے احکام کے خلاف ہو یا جس میں ان کی ہدایت کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ اہل ایمان اپنے اولوالامر سے اختلاف کا حق بے شک رکھتے ہیں لیکن اللہ اور رسول سے کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا، بلکہ اس طرح کا کوئی معاملہ اگر اولوالامر سے بھی پیش آ جائے تو اس کا فیصلہ لازماً قرآنِ مجید اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی روشنی میں کیا جائے گا۔

تاہم اللہ اور رسول کی اس حکومت کے تحت اولوالامر کی اطاعت کے بھی چند لوازم ہیں جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں واضح فرما دیا ہے:

اول یہ کہ ان کے تحت جو نظمِ ریاست قائم کیا جائے، مسلمانوں کو اس سے پوری طرح وابستہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

رہنا چاہیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نظم کو 'الجماعۃ' اور 'السلطان' سے تعبیر کیا ہے اور اس کے بارے میں ہر مسلمان کو پابند کیا ہے کہ اس سے کسی حال میں الگ نہ ہو، یہاں تک کہ اس سے نکلنے کو آپ نے اسلام سے نکلنے کے مترادف قرار دیا اور فرمایا کہ کوئی مسلمان اگر اس سے الگ ہو کر مرا تو جاہلیت کی موت مرے گا۔ آپ کا ارشاد ہے:

من رأی من امیرہ شیئًا یکرھہ فلیصبر، فانہ من فارق من الجماعۃ شبراً فمات الامات میتۃ جاھلیۃ۔ (بخاری، کتاب الفتن)

''جس نے اپنے امیر کی طرف سے کوئی ناپسندیدہ بات دیکھی، اسے چاہیے کہ صبر کرے، کیونکہ جو ایک بالشت کے برابر بھی مسلمانوں کے نظمِ اجتماعی سے الگ ہوا اور اسی حالت میں مر گیا، اس کی موت جاہلیت پر ہوئی۔''

یہی روایت ایک دوسرے طریق میں اس طرح آتی ہے:

من کرہ من امیرہ شیئًا فلیصبر، فانہ من خرج من السلطان شبراً، مات میتۃ جاھلیۃ۔ (بخاری، کتاب الفتن)

''جسے امیر کی کوئی بات ناگوار گزرے، اسے صبر کرنا چاہیے، کیونکہ جو ایک بالشت کے برابر بھی اقتدار کی اطاعت سے نکلا اور اسی حالت میں مر گیا اس کی موت جاہلیت پر ہوئی۔''

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

سیاسی خلفشار اور فتنہ وفساد کے زمانے میں بھی آپ کی ہدایت ہے کہ کسی مسلمان کو نظمِ اجتماعی کے خلاف کسی اقدام میں نہ صرف یہ کہ شریک نہیں ہونا چاہیے، بلکہ پوری وفاداری کے ساتھ اس سے وابستہ رہنا چاہیے۔ امام مسلم کی ایک روایت میں سیدنا حذیفہ کے لیے آپ کا یہ ارشاد کہ: 'تلزم جماعۃ المسلمین وامامھم'[1] (اس طرح کی صورتِ حال میں تم مسلمانوں کے نظمِ اجتماعی اور اُن کے حکمران سے وابستہ رہو گے)، ریاست سے متعلق دین کے اسی منشا پر دلالت کرتا ہے۔

دوم یہ کہ وہ قانون کے پابند رہیں۔ جو حکم دیا جائے، اس سے گریز وفرار کے بجائے اسے پوری توجہ سے سنیں اور مانیں۔ کوئی اختلاف، کوئی ناپسندیدگی، کوئی عصبیت اور کسی نوعیت کا کوئی ذہنی تحفظ بھی اس انحراف کا باعث نہیں بننا چاہیے۔ الاّ یہ کہ خدا کی معصیت میں کوئی حکم دیا جائے۔

---

[1] مسلم، کتاب الامارہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی نافرمانی قرار دیا اور فرمایا ہے:

من اطاعنی فقد اطاع اللّٰہ، ومن اطاع الامام فقد اطاعنی، ومن عصانی فقد عصی اللّٰہ، ومن عصی الامام فقد عصانی۔
(بخاری، کتاب الاحکام)

”جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے حکمران کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے حکمران کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔“

علیک السمع والطاعة فی عسرک ویسرک ومنشطک ومکرھک واثرة علیک۔ (مسلم، کتاب الامارہ)

”تم پر لازم ہے کہ اپنے اولوالامر کے ساتھ سمع وطاعت کا رویہ اختیار کرو، چاہے تم تنگی میں ہو یا آسانی میں اور چاہے یہ رضا ورغبت کے ساتھ ہو یا بے دلی کے ساتھ اور اس کے باوجود بھی کہ تمھارا حق تمھیں نہ پہنچے۔“

علی المرء المسلم السمع والطاعة فیما احب وکرہ الّا ان یؤمر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة۔
(بخاری، کتاب الاحکام)

”مسلمان پر لازم ہے کہ خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند، وہ ہر حال میں اپنے حکمران کی بات سنے اور مانے سوائے اس کے کہ اسے کسی معصیت کا حکم دیا جائے۔ پھر اگر معصیت کا حکم دیا گیا ہے تو وہ نہ سنے گا اور نہ مانے گا۔“

اسمعو او اطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان رأسه زبیبة۔
(بخاری، کتاب الاحکام)

”سنو اور مانو، اگرچہ تمھارے اوپر کسی حبشی غلام کو حکمران بنا دیا جائے، جس کا سر منقیٰ جیسا ہو۔“

اولوالامر کی یہ اطاعت اسی وقت تک ہے جب تک آیۂ زیر بحث کی رو سے وہ 'منکم' ہوں یعنی مسلمان رہیں اور اللہ و رسول کی جو حیثیت اس آیت میں بیان ہوئی ہے، اسے تسلیم کر لیں اس کی آخری حد وہی ہے جس کا نمونہ خلفاے راشدین نے پیش کیا کہ ریاست کے نظام میں شریعت کی بالادستی اس طرح تسلیم کی جائے کہ اس کے سامنے حکمرانوں کے سر ہی نہیں دل بھی جھکے ہوئے محسوس ہوں اور حکومت اس احساسِ ذمہ داری کے ساتھ کی جائے کہ حکمران گویا خدا کو ہر وقت

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں، لیکن اس سے نیچے وہ جگہ جہاں پہنچ جانے کے بعد ان کی اطاعت سے انحراف اور انھیں تبدیل کر دینے کی جدوجہد مسلمانوں کے لیے جائز ہو جاتی ہے 'منکم' کی اس شرط کے مطابق یہی ہو سکتی ہے کہ وہ کھلے کفر کے مرتکب ہو جائیں۔ اس کی ایک نمایاں علامت قرآن کی رو سے ذاتی حیثیت میں اور ریاست کی سطح پر نماز چھوڑ دینا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی بات فرمائی ہے۔ عبادہ بن صامت کی روایت ہے:

دعانا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فبایعناه فکان فیما اخذ علینا علی السمع والطاعة فی منشطنا و مکرهنا وعسرنا ویسرنا واثرة علینا و ان لا تنازع الامر اهله، قال الا ان تروا کفرا بواحاً، عند کم من اللّٰه فیه برهان۔
(مسلم، کتاب الامارہ)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بیعت کے لیے بلایا تو ہم نے آپ سے بیعت کی۔ اس میں جن باتوں کا عہد لیا گیا وہ یہ تھیں کہ ہم سنیں گے اور مانیں گے، چاہے یہ رضا و رغبت کے ساتھ ہو یا بے دلی کے ساتھ اور چاہے ہم تنگی میں ہوں یا آسانی میں اور اس کے باوجود بھی کہ ہمارا حق ہمیں نہ پہنچے اور یہ بھی کہ ہم اپنے اولوالامر سے اقتدار کے معاملے میں کوئی جھگڑا نہ کریں گے۔ آپ نے فرمایا: ہاں، البتہ جب تم کوئی کھلا کفر ان کی طرف سے دیکھو اور تمھارے پاس اس معاملے میں اللہ کی واضح حجت موجود ہو۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اسی طرح بعض روایتوں میں ہے:

انه یستعمل علیکم امراء فتعرفون وتنکرون فمن کره فقد بری ومن انکر فقد سلم ولکن من رضی وتابع قالوا یا رسول اللّٰه، الا نقاتلهم قال لا ماصلوا۔
(مسلم، کتاب الامارہ)

''تم پر ایسے لوگ حکومت کریں گے جن کی بعض باتیں تمھیں اچھی لگیں گی اور بعض بری۔ پھر جس نے بری باتوں کو ناپسند کیا اور وہ بری الذمہ ہوا اور جس نے اُن کا انکار کیا وہ بھی محفوظ رہا، مگر جو ان پر راضی ہوا اور پیچھے چل پڑا تو اس سے پوچھا جائے گا۔ صحابہ نے پوچھا: یہ صورت ہو تو کیا ہم اُن سے جنگ نہ کریں، اے اللہ کے رسول۔

آپ نے فرمایا: نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے ہوں۔''

شــرار ائـمتـكم الذين تبغضونهم و يبغضونكم و تلعنونهم ويلعنونكم ، قيـل يـا رسـول الـلّٰه ، افلا ننابزهم بـالسيف فـقـال ، لا ما اقاموا فيكم الصلٰوة۔ (مسلم، کتاب الامارہ)

''تمھارے بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں۔تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔ پوچھا گیا، اے اللہ کے رسول، یہ صورت ہو تو کیا ہم ان کے خلاف تلوار نہ اٹھائیں؟ فرمایا: نہیں، جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں۔''

تاہم اس حد کو پہنچ جانے کے بعد بھی حکمرانوں کے خلاف بغاوت کا حق کسی شخص کو اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا، جب تک مسلمانوں کی واضح اکثریت اس کی تائید میں نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ پھر حکومت کے خلاف نہیں بلکہ مسلمانوں کے خلاف بغاوت قرار پائے گی جو اسلامی شریعت کی رو سے فساد فی الارض ہے اور جس کی سزا قرآن میں قتل مقرر کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من اتاكم وامركم جميع على رجل واحد يريد ان يشق عصاكم اويفرق جماعتكم فاقتلوه۔
(مسلم، کتاب الامارہ)

''تم کسی شخص کی امارت پر جمع ہو اور کوئی تمھاری جمعیت کو پارہ پارہ کرنے یا تمھاری نظمِ اجتماعی میں تفرقہ پیدا کرنے کے لیے اٹھے تو اسے قتل کردو۔''[۲]

پھر یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ یہ بغاوت اگر مسلح بغاوت ہو تو اس کی ایک لازمی شرط یہ بھی ہے کہ بغاوت کرنے والے پہلے کسی آزاد علاقے میں جا کر اپنی حکومت قائم کریں۔
اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی پیغمبر کو بھی جو اتمام حجت کا آخری ذریعہ ہوتا ہے تلوار اٹھانے کی اجازت اس وقت تک نہیں دی جب تک اس نے ہجرت کر کے اپنی جماعت کو کسی آزاد علاقے میں منظّم نہیں کر لیا اور اس کا اقتدار اس جماعت پر بزور قوت قائم نہیں ہو گیا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں معلوم ہے کہ ان کو اس کا حکم اس شرط کے پورا ہو جانے کے بعد ہی

---

[۲] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم سورۂ مائدہ کی آیت ۳۳ پر مبنی ہے۔

ملا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے لیے بھی اس کا راستہ اس وقت کھلا ، جب بیعت عقبہ کے بعد مدینہ میں ان کی ایک با قاعدہ حکومت قائم ہوئی ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیاسی اقتدار کے بغیر جہاد محض فساد ہے ۔ جو نظامِ امارت اپنی جماعت پر اللہ کی حدود نافذ کرنے اور ارتکاب جرم کی صورت میں مجرم کو سزا دینے کا اختیار نہیں رکھتا ، اسے قتال کی اجازت آخر کس طرح دی جا سکتی ہے ؟

اس امت کے علما ہمیشہ اس شرط کے قائل رہے ہیں ۔ '' فقہ السنۃ '' میں ہے :

والنوع الثالث من الفروض الكفائية مايشترط فيه الحاكم، مثل الجهاد واقامة الحدود۔	''اور کفایہ فرائض کی تیسری قسم وہ ہے، جس میں حکمران کا ہونا شرط ہے۔مثال کے طور پر جہاد اور اقامتِ حدود۔''

(السید السابق، ج ۳، ص ۳۰)

امام فراہی لکھتے ہیں:

''اپنے ملک کے اندر بغیر ہجرت کے جہاد جائز نہیں ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرگزشت اور ہجرت سے متعلق دوسری آیات سے یہی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد اگر صاحب جمعیت اور صاحبِ اقتدار امیر کی طرف سے نہ ہو تو وہ محض شورش و بدامنی اور فتنہ و فساد ہے[۳]۔'' (مجموعۂ تفاسیرِ فراہی، ص ۵۶)

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اپنی کتاب ''دعوتِ دین اور اس کا طریقِ کار'' میں اس شرط کے اسی پہلو کی وضاحت میں لکھا ہے:

''پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی باطل نظام کے اختلال و انتشار کو بھی اس وقت تک پسند نہیں کرتا جب تک اس بات کا امکان نہ وہ کہ جو لوگ اس باطل نظام کو درہم برہم کر رہے ہیں، وہ اس کی جگہ پر کوئی نظامِ حق بھی قائم کر سکیں گے۔ انارکی اور بے نظمی کی حالت ایک غیر فطری حالت ہے، بلکہ انسانی فطرت سے یہ اس قدر بعید ہے کہ ایک غیر عادلانہ نظام بھی اس کے مقابل میں قابل ترجیح ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کسی ایسی جماعت کو جنگ چھیڑنے کا اختیار نہیں دیا ہے جو بالکل مبہم اور مجہول ہو، جس کی طاقت و استطاعت غیر معلوم اور مشتبہ ہو، جس پر کسی ایک با اختیار امیر کا اقتدار قائم نہ ہو جس کی اطاعت و وفاداری کا امتحان نہ ہوا ہو، جس کے افراد منتشر اور پراگندہ ہوں، جو کسی نظام کو درہم برہم تو کر سکتے ہوں۔ لیکن اس بات کا کوئی ثبوت انھوں نے بہم نہ پہنچایا ہو کہ وہ کسی انتشار کو مجتمع بھی کر سکتے

---

[۳] یہ استاذ امام امین احسن اصلاحی کا ترجمہ ہے۔ امام فراہی کی اصل عربی عبارت ، افسوس ہے کہ میسر نہیں ہو سکی۔

ہیں۔ یہ اعتماد صرف ایک ایسی جماعت ہی پر کیا جا سکتا ہے جس نے بالفعل ایک سیاسی جماعت کی صورت اختیار کر لی ہو اور جو اپنے دائرہ کے اندر ایک ایسا ضبط و نظم رکھتی ہو کہ اس پر 'الجماعۃ' کا اطلاق ہو سکے۔ اس حیثیت کے حاصل ہونے سے پہلے کسی جماعت کو یہ حق تو حاصل ہے کہ وہ 'الجماعۃ' بننے کے لیے جدوجہد کرے اور اس کی یہ جدوجہد جہاد ہی کے حکم میں ہوگی۔ لیکن اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ عملاً جہاد بالسیف اور قتال کے لیے اقدام شروع کر دے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ کسی جنگ کرنے والی جماعت کو انسانوں کے جان و مال پر جو اختیار حاصل ہو جایا کرتا ہے وہ ایسا غیر معمولی اور اہم ہے کہ کوئی ایسی جماعت اس کو سنبھال ہی نہیں سکتی جس کے لیڈر کا اقتدار اس کے اوپر محض اخلاقی قسم کا ہو۔ اخلاقی اقتدار اس امر کی کافی ضمانت نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے فساد فی الارض کو روک سکے۔ اس وجہ سے مجرد اخلاقی اقتدار کے اعتماد پر کسی اسلامی لیڈر کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت دے دے، ورنہ اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ جب ایک مرتبہ ان کی تلوار چمک جائے گی تو وہ حلال و حرام کے حدود کی پابند نہیں رہے گی اور ان کے ہاتھوں وہ سب کچھ ہو جائے گا جس کے مٹانے ہی کے لیے انھوں نے تلوار اٹھائی ہے۔ عام انقلابی جماعتیں جو مجرد ایک انقلاب برپا کرنا چاہتی ہیں اور جن کا مطمحِ نظر اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا کہ وہ قائم شدہ نظام کو درہم برہم کر کے برسرِ اقتدار پارٹی کے اقتدار کو مٹائیں اور اس کی جگہ اپنا اقتدار جمائیں، اس قسم کی بازیاں کھیلتی ہیں اور کھیل سکتی ہیں۔ ان کے نزدیک نہ کسی نظم کا اختلال کوئی حادثہ ہے، نہ کسی ظلم کا ارتکاب کوئی معصیت۔ اس وجہ سے ان کے لیے سب کچھ مباح ہے، لیکن ایک عادل اور حق پسند جماعت کے لیڈروں کو لازماً یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ جس نظم سے وہ خدا کے بندوں کو محروم کر رہے ہیں، اس سے بہتر نظم ان کے واسطے مہیا کرنے کی وہ صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں اور جس ظلم کو مٹانے کے وہ درپے ہیں، اس قسم کے مظالم سے اپنے آدمیوں کو بھی روکنے پر وہ پوری طرح قادر ہیں یا نہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو ان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ محض اتفاقات کے اعتماد پر وہ لوگوں کے جان و مال کے ساتھ بازیاں کھیلیں اور جس فساد کے مٹانے کے لیے اٹھے ہیں، اس سے بڑا فساد خود برپا کرا دیں۔'' (باب ۱۴، ص ۲۴۱۔ ۲۴۲)

(باقی)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com